5

سندھ میں آ کر آباد ہونے والے احمدی سندھی زبان سیکھیں اور لوگوں کو اسلام کے موٹے موٹے مسائل سے بار بار آگاہ کریں

(فرمودہ 9 مارچ 1951ء بمقام ناصر آباد سندھ)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

''آج میں اپنی جماعت کے اُن تمام دوستوں کو جو سندھ میں آباد ہو چکے ہیں اس امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ جس علاقہ میں وہ مہمان کے طور پر رہ رہے ہیں اس کی مہمان نوازی کا حق ادا کریں۔ یعنی سندھیوں میں اشاعتِ احمدیت اور تعلیم و تربیت کا سلسلہ زیادہ سے زیادہ وسیع کریں اور سندھی زبان سیکھنے کی کوشش کریں۔ میرے نزدیک تو یہاں کوئی شخص بھی ایسا نہیں ہونا چاہیے جو سندھی زبان نہ جانتا ہو۔ اور ہر شخص کا خواہ وہ سرکاری ملازم ہو یا کسی فرد کے پاس ذاتی طور پر کام کرتا ہو، زمیندار ہو یا تاجر، فرض ہے کہ وہ سندھی زبان سیکھے تا کہ یہاں کے رہنے والوں سے وہ اختلاط

پیدا کر سکے، اُن سے مل جُل سکے، اپنے خیالات اُن پر ظاہر کر سکے اور اُن کے خیالات سن سکے۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ باوجود اِس کے کہ ہمارے دوستوں کو یہاں رہتے ہوئے کئی سال گزر چکے ہیں پھر بھی انہوں نے سندھی زبان سیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ چنانچہ اگر کوئی سندھی مجھ سے آ کر بات کرے اور میں دوستوں کو اُس کا ترجمہ کرنے کے لیے کہوں تو مجھے بہت کم ایسے لوگ نظر آتے ہیں جو سندھی زبان جانتے ہوں۔ اور اگر کوئی شخص سندھی زبان جانتا بھی ہے تو ایسی غلط سلط کہ وہ پوری طرح دوسرے کا مفہوم بیان نہیں کر سکتا۔ میرے نزدیک کسی ملک میں رہنا اور پھر وہاں کی زبان سیکھنے کی کوشش نہ کرنا یہ اُس ملک کی مہمان نوازی کی ہتک ہے۔ جب کوئی شخص کسی ملک میں رہنا شروع کر دیتا ہے تو اُس ملک کا ہر باشندہ میزبان ہوتا ہے اور اس ملک میں رہائش اختیار کرنے والا ہر فرد اُن کا مہمان ہوتا ہے اور مہمان کا فرض ہوتا ہے کہ وہ میزبان کی زبان کو جانتا ہو تا کہ وہ اُس کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر سکے اور اس کے خیالات سے خود واقف ہو سکے۔ اگر وہ ملکی زبان نہیں جانتا تو اس کی مثال بالکل ایسی ہی ہوگی جیسے کوئی عورت کہیں بیاہی جائے مگر وہ نہ تو اپنے خاوند کی زبان جانتی ہو اور نہ خاوند کے رشتہ داروں کی زبان جانتی ہو۔ کسی ملک میں ہجرت کر کے چلے جانا اور وہاں بس جانا درحقیقت ایسا ہی ہوتا ہے جیسے کسی عورت کی کہیں شادی کر دی جائے۔ اور کوئی عورت سُکھ کی زندگی بسر نہیں کر سکتی جب تک وہ اپنے خاوند اور اُس کے رشتہ داروں کی زبان نہ جانتی ہو۔ بلکہ کوئی عورت صحیح معنوں میں بیوی کہلانے کی حقدار نہیں ہو سکتی جب تک وہ اپنے خاوند اور اُس کے رشتہ داروں کی زبان نہ جانتی ہو۔ اِسی طرح کوئی شخص اُس وقت تک کامیاب زندگی بسر نہیں کر سکتا جب تک وہ اُس ملک کی زبان پوری طرح نہ جانتا ہو جس میں اُس نے رہائش اختیار کی ہوئی ہو۔ محض اِس وجہ سے کہ یہاں پنجابی بولنے والے مِل جاتے ہیں اگر تم سندھی زبان سیکھنے کی کوشش نہیں کرتے تو یہ چیز تمہارے جُرم کو ہلکا نہیں کر دیتی۔ تمہارا دن رات اِس علاقہ میں رہنا، اِس علاقہ کے طور طریق نہ سیکھنا، یہاں کی زبان نہ سیکھنا اور یہاں کے لوگوں سے ملنے جُلنے کی خواہش نہ رکھنا بہت ہی قابلِ ملامت بات ہے۔ ظاہری تکلیفیں جو کسی ملک یا علاقہ کی زبان نہ جاننے کی وجہ سے انسان کو پہنچتی ہیں اُن کو جانے دو اخلاقی اور مذہبی لحاظ سے بھی ہماری جماعت کے افراد کو چاہیے کہ وہ سندھی زبان سیکھیں، سندھیوں سے میل جول اور تعلقات قائم کریں اور سندھیوں کے طور طریق سیکھنے کی کوشش کریں۔

زبانوں کے فرق سے بعض بڑے بڑے عجیب اختلافات رونما ہو جاتے ہیں بلکہ جہاں ایک زبان ہوتی ہے وہاں بھی ضلعوں کے فرق کی وجہ سے بعض الفاظ کا مفہوم بالکل بدل جاتا ہے۔ مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اوّل کے ایک رشتہ دار کی بہن ایک دفعہ قادیان آئیں اور انہوں نے باتوں باتوں میں حضرت خلیفہ اوّل کی تعریف کرتے ہوئے کہیں کہہ دیا کہ ''اوہ بڑا شُہدا ہے''۔ شُہدے کا لفظ ضلع گورداسپور میں بدمعاش کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن بھیرہ میں اس کے معنے نیک اور شریف آدمی کے ہیں۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا زمانہ تھا اور آپ ابھی خلیفہ نہیں ہوئے تھے مگر آپ کے تقوٰی اور بزرگی کی وجہ سے تمام جماعت میں آپ کی عزت اور شہرت تھی۔ جب اُس نے آپ کے متعلق شُہدے کا لفظ استعمال کیا تو عورتیں اُس سے لڑ پڑیں کہ تم حضرت مولوی صاحب کی ہتک کرتی ہو!! مگر وہ بار بار یہی کہتی جائے کہ ''ہاں ہاں! اوہ بڑا شُہدا ہے''۔ جب ضلعوار زبانوں کے فرق سے اتنا بڑا اختلاف پیدا ہو جاتا ہے تو یہ تو علاقہ ہی اَور ہے۔ اگر ہماری جماعت کے افراد اِس علاقہ کی زبان نہیں سیکھیں گے تو ایک دوسرے کے خیالات کو سمجھنے میں بڑا بھاری نقص واقع ہو جائے گا۔ پس ضرور ہے کہ ہماری جماعت کے دوست سندھی زبان سیکھنے کی کوشش کریں تا کہ سندھیوں سے وہ زیادہ سے زیادہ تعلّقات پیدا کر سکیں۔

جیسا کہ میں نے بتایا ہے اِس علاقہ میں سندھی میزبان ہیں اور ہم ان کے مہمان ہیں۔ چاہے ہم اپنا کھاتے ہوں اور اپنا کاروبار کرتے ہوں مگر ہیں ہم مہمان ہی۔ درحقیقت یہ ساری زمینیں خواہ لوگوں نے روپیہ دے کر خریدی ہیں اصل میں سندھیوں کی ہیں اور انہوں نے ہی سینکڑوں سال تک ان زمینوں کی حفاظت کی اور دشمن کو ان پر قبضہ کرنے سے روکا۔ پھر انگریزوں نے ان سے زمین لے کر آگے فروخت کر دی اور دوسرے لوگ آباد ہو گئے۔ مگر زمین خریدنے کے یہ معنے نہیں کہ ہم سندھ کے مالک ہو گئے ہیں بلکہ جیسے ایک ادنیٰ مالک ہوتا ہے اور ایک اعلیٰ مالک ہوتا ہے ہم ادنیٰ مالک ہیں اور سندھی اعلیٰ مالک ہیں کیونکہ سالہا سال تک ہم نے ان زمینوں کو دشمنوں کے حملہ سے نہیں بچایا بلکہ سندھیوں نے بچایا۔ جب سندھ پر حملہ ہوتا تھا تو اُس وقت کون مقابلہ کرتا تھا؟ پنجابی مقابلہ نہیں کرتے تھے بلکہ سندھی مقابلہ کرتے تھے۔ اِسی طرح جب ڈاکو اور لُٹیرے آئے تھے تو اُن کا کون مقابلہ کرتا تھا؟ یہ صاف بات ہے کہ سندھی ڈاکوؤں اور لُٹیروں کا مقابلہ کیا کرتے تھے۔ اِسی طرح اِس ملک کے

درندوں کو کس نے صاف کیا؟ سندھیوں نے ہی صاف کیا۔ اس ملک میں آبادیاں کس نے قائم کیں؟ سندھیوں نے ہی قائم کیں۔ پس درحقیقت وہی اِس کے مالک ہیں اور جب تک ہم علاقہ کے مالک کی جس میں ہم مہمان کے طور پر آ کر بس گئے ہیں زبان نہیں سیکھتے ہم اس اخلاقی فرض کو ادا نہیں کرتے جو میزبان کا مہمان پر ہوتا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ سندھی پنجابیوں سے اچھے تعلّقات نہیں رکھتے۔ میں کہتا ہوں تم ان کا حق ادا کرو وہ تمہارا حق خودبخود ادا کرنے لگ جائیں گے۔ آخر تم میں سے کتنے ہیں جو سندھی زبان جانتے ہیں؟ تھوڑے بہت الفاظ تو میں بھی جانتا ہوں۔ مثلاً بنّی اور سائیں وغیرہ الفاظ مجھے آتے ہیں مگر اِس کے یہ معنے نہیں کہ مجھے سندھی زبان آتی ہے۔ اِسی طرح اگر تم بھی سندھی زبان کے چند الفاظ جانتے ہو تو یہ اس بات کا ثبوت نہیں کہ تمہیں سندھی آتی ہے۔ سندھی جاننے کے معنے یہ ہیں کہ اگر تمہیں سندھی میں تقریر کرنی پڑے تو تم تقریر کر سکو، اپنا مطلب انہیں سمجھا سکو اور ان کا مطلب خود سمجھ سکو۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے یہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو سندھی میں تقریر کر سکتا ہو۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری کو جب یہاں مبلغ بنا کر بھیجا گیا تھا تو وہ سندھی میں تقریر کرنے لگ گئے تھے لیکن اَور کسی نے سندھی زبان سیکھنے کی کوشش نہیں کی۔

پس پہلی نصیحت تو میں یہ کرنا چاہتا ہوں کہ تم سندھی زبان سیکھو اور لوگوں کو اسلامی مسائل سکھاؤ۔ اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ ہر شخص الگ الگ استعداد رکھتا ہے مگر ہماری کوشش یہی ہونی چاہیے کہ ہم ہر شخص کو اسلام کا سپاہی بنانے کی کوشش کریں۔ پھر جو لوگ قابلیت رکھنے والے ہوں گے وہ خودبخود آگے نکل آئیں گے۔ کھیتی باڑی میں بھی یہی اصول نظر آتا ہے۔ جب کھیت میں بیج ڈالا جاتا ہے تو ہر دانے کا سِٹّہ نہیں بنتا۔ کوئی دانہ تو ایسا ہوتا ہے جو اُگتا ہی نہیں، کوئی اُگتا ہے تو اس پر زیادہ دانوں والا سِٹّہ نہیں لگتا اور کوئی ایسا ہوتا ہے کہ جس کا سِٹّہ زیادہ دانوں والا ہوتا ہے۔ غرض کھیتوں کو لے لو، سبزیوں، ترکاریوں کو لے لو، جانوروں کو لے لو ہر چیز کی پیدائش میں تمہیں اختلاف نظر آئے گا۔ جانوروں میں سے ہی کسی کا بچہ تو پیٹ میں ہی ضائع ہو جاتا ہے، کوئی چھوٹی عمر میں مر جاتا ہے، کوئی بڑا تو ہو جاتا ہے مگر تمام عمر کمزور رہتا ہے اور کوئی بڑا ہو کر طاقتور اور مضبوط بن جاتا ہے۔ یہی حال انسانوں کا ہے۔ انسانوں میں بھی کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں میں خدا تعالیٰ کی محبت اور اُس کے دین کے لیے غیرت پائی جاتی ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں میں دین کا شوق تو ہوتا ہے مگر تھوڑا۔

وہ دوسروں کو دیکھ کر آگے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔اور کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے دلوں میں دوسروں کو دیکھ کر بھی یہ احساس پیدا نہیں ہوتا کہ وہ ترقی کریں۔ اِسی طرح ہر شخص معلّم اور مربی نہیں بن سکتا۔لیکن فرض کرو سو میں سے دس بن سکتے ہوں اور اِدھر سندھ میں سو میں سے پانچ شخص سندھی زبان جانتے ہوں تو یہ لازمی بات ہے کہ وہ پانچ بھی ہمارے لیے بیکار ہو جائیں گے کیونکہ ہمیں دس میں سے ایک شخص مل سکتا تھا اور وہ صرف پانچ ہیں۔اس کے معنے یہ ہیں کہ ہمیں نصف آدمی ملا اور نصف چونکہ ہو ہی نہیں سکتا اس لیے ہم اس انتخاب میں صفر تک آ جائیں گے۔لیکن اگر تمام لوگ سندھی زبان جانتے ہوں تو ان میں سے دس ہمیں کام کے آدمی مل جائیں گے اور ہماری ضرورت پوری ہو جائے گی۔

پس میری پہلی ہدایت تو یہ ہے کہ یہاں کے رہنے والے تمام افراد کو سندھی زبان سیکھنی چاہیے اور سندھ کی تمام جماعتوں کے پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کو اپنی رپورٹوں کے فارم میں ایک خانہ ایسا بنانا چاہیے جس میں یہ ذکر ہو کہ انہوں نے جماعت کے اندر سندھی زبان سیکھنے کے لیے کیا بیداری پیدا کی اور کتنے افراد ان کی تحریک پر سندھی زبان سیکھ رہے ہیں؟ میں ربوہ واپس جا کر اِس بارہ میں متعلقہ ڈیپارٹمنٹ کو ہدایت دوں گا کہ وہ سندھ کی جماعتوں کی نگرانی کرے اور سیکرٹریانِ جماعت سے باقاعدہ رپورٹیں منگوائے کہ انہوں نے سندھی زبان سکھلانے کے لیے کیا کوشش کی ہے اور کتنے افراد سندھی سیکھ رہے ہیں؟ ہمارے ملک میں پٹھان آتے ہیں تو وہ اردو بولنے لگ جاتے ہیں، انگریز آتے ہیں تو وہ بھی اردو میں باتیں کرنے لگ جاتے ہیں، جرمن آتے ہیں تو وہ اردو میں گفتگو شروع کر دیتے ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ہم سندھی نہیں بول سکتے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنے دل میں یہ فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہم نے سندھی نہیں سیکھنی اور جب ہم یہ فیصلہ کر لیتے ہیں تو پھر ہمیں سندھی نہیں آتی۔

پس میں تمام جماعتوں کے پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کو ہدایت دیتا ہوں کہ وہ اپنی رپورٹ میں آئندہ اس امر کی تصریح کیا کریں کہ ان کی جماعت کے کتنے افراد ہیں؟ کتنے سندھی زبان جانتے ہیں اور کتنے نہیں جانتے۔اور جو لوگ نہیں جانتے اُن کو سندھی زبان سکھانے کی کیا کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ تحریک ایسی ہے جس میں عورتوں اور بچوں کو شامل کرنا چاہیے اور ہر مرد اور ہر عورت اور ہر بچہ کو سندھی زبان آنی چاہیے۔

دوسری نصیحت میں یہ کرنا چاہتا ہوں کہ یہ علاقہ ابھی جنگل کی طرح ہے اور ایسی طرز پر آباد نہیں ہوا کہ ہر قسم کی تعلیموں سے یہاں کے رہنے والے فائدہ اُٹھا سکیں۔ ایسے حالات میں لوگ بعض دفعہ اہم مسائل جو تعلیم و تربیت سے تعلق رکھتے ہیں اُن کو بھول جاتے ہیں۔ پس یہاں جو واعظ اور خطیب ہیں اُن کا بھی اور پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں کا بھی فرض ہے کہ وہ بار بار دین کے موٹے موٹے مسائل لوگوں کے ذہن نشین کراتے رہا کریں۔ جب ہم مکان بناتے ہیں تو سب سے پہلے ہم چھت کی اینٹ نہیں رکھتے بلکہ بنیادی اینٹ رکھتے ہیں۔ اسی طرح دین کی تکمیل کے لیے بڑے بڑے مسائل بعد میں آتے ہیں پہلے چھوٹے چھوٹے مسئلے لوگوں کو آنے چاہییں۔ اگر چھوٹے چھوٹے مسائل ہی لوگوں کو نہ آتے ہوں تو بڑے بڑے مسائل ان کے سامنے بیان کرنا چنداں مفید نہیں ہوتا۔

میں دیکھتا ہوں کہ یہاں عورتوں میں دین سے اتنی ناواقفیت پائی جاتی ہے کہ وہ جہالت جو کسی زمانہ کی عورتوں میں ہم سنا کرتے تھے وہ اِس جگہ کی بعض عورتوں میں نظر آتی ہے اور حیرت ہوتی ہے کہ ان کی ناواقفیت کس حد تک پہنچی ہوئی ہے۔ ایک عورت جو پنجابی ہے مگر ایک عرصہ سے یہاں رہائش رکھتی ہے اس کی زبان سے میں نے ایسا فقرہ سنا ہے کہ کم از کم پنجاب میں مَیں نے ایسا فقرہ کسی عورت کے منہ سے آج تک نہیں سنا تھا۔ وہ میرے سامنے اپنی ایک شکایت لائی اور اس نے کہا کہ میری لڑکی کی شادی ایک ایسی جگہ ہوئی تھی جہاں دوسرے فریق نے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنی لڑکی میرے لڑکے کو دے دیں گے مگر اَب وہ میری لڑکی کو تو آباد کرنا چاہتے ہیں لیکن میرے لڑکے کو لڑکی دینے کے لیے تیار نہیں۔ اس لیے اب میں اپنی لڑکی کا نکاح فسخ کرنا چاہتی ہوں۔ میں نے اسے بہتیرا سمجھایا کہ تم رشتہ دے چکی ہو اب تمہارا کوئی حق نہیں کہ تم رشتہ واپس لو۔ میں مانتا ہوں کہ انہوں نے شادی کے وقت یہ وعدہ کیا ہوگا کہ تمہارے لڑکے کو اپنی لڑکی دے دیں گے، دنیا میں عام طور پر لوگ ایسی دھوکا بازیاں کر دیتے ہیں لیکن نکاح کے لحاظ سے اس وعدہ کی کوئی حقیقت نہیں۔ اخلاقیات کے لحاظ سے بیشک ہم کہہ دیں گے کہ وہ بہت بُرے تھے، بڑے دھوکا باز تھے، پہلے ایک وعدہ کیا اور پھر انکار کر دیا مگر جہاں تک تمہاری لڑکی کے رشتہ کا سوال ہے وہ ہو چکا ہے اور اب وہ توڑا نہیں جا سکتا۔ پھر میں نے اسے کہا اگر تم پہلے ہی خدا اور اُس کے رسول کی بات سن لیتیں تو یہ مصیبت تم پر کیوں آتی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف اور واضح الفاظ میں فرمایا ہے کہ بٹّا کی شادی نہ کرو[1] اور جب

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ممانعت فرمائی ہے تو مجھے تم سے کیا ہمدردی ہوسکتی ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ ہمیں یہ کام نہیں کرنا چاہیے اور تم اقرار کرتی ہو کہ تم نے یہ کام کیا۔ جب اسلامی حکم کی تم نے خود خلاف ورزی کی ہے تو اَب تمہارے ساتھ میں کس طرح ہمدردی کرسکتا ہوں۔ اس پر اس نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ مجھے پتا ہے کہ اسلام نے بٹّا کی شادی کو ناجائز قرار دیا ہے لیکن میں تو اس کو جائز سمجھتی ہوں۔ یہ بات اس نے ایسی صفائی سے کی کہ یوں معلوم ہوتا تھا وہ اپنے آپ کو خدا تعالیٰ سے بھی بڑا سمجھتی ہے کہ ایک تو خدا نے حکم دیا ہے اور ایک میرا حکم ہے۔ بیشک اسلام نے اس کو جائز قرار نہیں دیا لیکن میں جو اس کو جائز قرار دیتی ہوں تو پھر اس پر کیا اعتراض ہوسکتا ہے۔ میں نے اسے کہا اب میں تجھے اَور کیا کہوں جب تم خدا کی بات ماننے کے لیے ہی تیار نہیں تو میں اس معاملہ میں کیا دخل دے سکتا ہوں۔

یہ نتیجہ ہے اِس بات کا کہ چھوٹی چھوٹی باتیں لوگوں کو نہیں بتائی جاتیں۔ ان کو بتایا نہیں جاتا کہ اسلام کے احکام کی کیا قدر و قیمت ہے اور کیوں ان معاملات میں ہمیں بولنے کا حق حاصل نہیں۔ اس عورت نے تو یہ بات ایسے رنگ میں بیان کی تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا اُس کے نزدیک جس طرح دنیا خدا تعالیٰ کو مانتی ہے اُسی طرح اُس کی بات بھی ماننی چاہیے مگر اتنی بڑی غلطی اسے کیوں لگی؟ اِسی لیے لگی کہ چھوٹی چھوٹی باتیں عورتوں، مردوں اور بچوں کو سکھائی نہیں جاتیں۔ خالی وفاتِ مسیح وغیرہ کے مسائل بتا دینے کا کیا فائدہ ہوسکتا ہے۔ جب ایک شخص کا دماغ یہ سوچتا ہو کہ جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق حاصل ہے وہ اسے بھی حاصل ہے یا خدا نے بیشک ایک چیز کو ناجائز قرار دیا ہے مگر میں تو اُس کو جائز سمجھتا ہوں۔ یہ مسائل ہیں جو لوگوں کے ذہن نشین کرانے چاہییں اور اُن کو بار بار بتانا چاہیے کہ خدا تعالیٰ کا ادب کرنا چاہیے، دین کا ادب کرنا چاہیے، رسول کا ادب کرنا چاہیے اور اس کے احکام کو سن کر فوراً اپنا سر جھکا دینا چاہیے۔ یہ مسئلے عوام الناس کے لیے زیادہ ضروری ہوتے ہیں۔ اور درحقیقت ان کو سیکھنے کے بعد ہی کوئی شخص دین کے لیے مفید وجود بن سکتا ہے ورنہ ایک شخص اگر وفاتِ مسیح پر دھواں دھار تقریر کرے اور بعد میں کسی بات پر آ کر کہہ دے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک ایسا کہا ہوگا مگر میرا نظریہ یہ ہے تو سب لوگ ہنس پڑیں گے کہ اس کی مولویت تو معلوم ہوگئی۔

پس لوگوں کو دین کے موٹے موٹے مسائل سے واقف کرو۔ مثلاً نہانے دھونے کے مسائل ہیں یا نماز کے مسائل ہیں کہ اس طرح کھڑا ہونا چاہیے، اس طرح رکوع کرنا چاہیے، اس طرح سجدہ کرنا چاہیے، صفوں کو سیدھا رکھنا چاہیے، جلدی جلدی نماز نہیں پڑھنی چاہیے، نماز کے لیے دوڑ کر نہیں آنا چاہیے۔ نماز باجماعت پڑھنی چاہیے۔ اِسی طرح شادی بیاہ کے مسائل ہیں، عورتوں کے حقوق کے مسائل ہیں یہ چیزیں ہیں جو لوگوں کے سامنے متواتر آنی چاہییں اور اُن کو بتانا چاہیے کہ اسلام نے ان پر کیا ذمہ داریاں عائد کی ہیں۔

اِسی طرح ایک اَور شکایت ہے جو یہاں آنے پر اکثر سننے میں آتی ہے اور وہ یہ کہ ایک میاں ہے جو اپنی بیوی کو خرچ نہیں دیتا اور اسے مارتا رہتا ہے۔ ابھی میں خطبہ کے لیے آ رہا تھا کہ مجھے پیغام ملا کہ فلاں لڑکی کہتی ہے آپ میرے خاوند کو بھی سمجھانے کی کوشش کریں وہ ہمیشہ مجھے تنگ کرتا رہتا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر وہ شخص کس شریعت پر عمل کرتا ہے۔ ڈنڈا لے کر اپنی بیوی کو مارنے لگ جانا، اُس کو گھر سے نکال دینا اور خرچ تک نہ دینا یہ کس قانون کے ماتحت جائز ہے اور کونسی شریعت اُسے اِس بات کا حق دیتی ہے۔ وہ کہتی ہے میں خاوند کے پاس بھی رہوں تو وہ مجھے اخراجات کے لیے کچھ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ گزارہ چلاؤ۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ گزارہ کس طرح چلائے؟ یا تو اُسے کوئی پیشہ سکھانا چاہیے مثلاً درزی کی دکان اُسے کھول دی جائے اور کہا جائے کہ اِس دکان میں سے گزارہ چلاؤ یا کوئی اَور صورت پیدا کی جائے لیکن اِدھر اُس کو گھر میں بٹھا رکھنا اور اُدھر یہ کہنا کہ وہ اس کے مطالبات پورے کرے یہ دونوں باتیں کسی طرح اکٹھی نہیں ہوسکتیں۔ بہت سی خرابیاں دنیا میں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ اپنی بیویوں کو خرچ نہیں دیتے اور اپنے مطالبات جاری رکھتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ ناجائز ذرائع سے روپیہ کمانے کی کوشش شروع کر دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ وہ اپنی بیوی سے لڑا اور اُس نے کہا کہ میں اس کی ناک کاٹ ڈالوں گا۔ یہ میرے مطالبات کو پورا نہیں کرتی۔ شور سن کر لوگ جمع ہوگئے تو اُس کی بیوی نے کہا کہ اس سے پوچھو کہ یہ ہر روز یہ فرمائشیں کرتا ہے کہ آج یہ پکا، آج وہ پکا۔ کبھی اس نے مجھے پیسے بھی دیئے ہیں؟ یہ کتنے بڑے ظلم کی بات ہے کہ اتنی موٹی باتیں بھی ہماری جماعت کے لوگوں کو معلوم نہیں اور وہ بیویوں کو مارنا اور اُن کو خرچ نہ دینا جائز سمجھتے ہیں حالانکہ شریعت نے ان کو اس قسم کا کوئی حق نہیں دیا۔ یہ مسائل جو لوگوں پر واضح

کرنے چاہییں بیشک یہ ابتدائی مسائل ہیں لیکن زمیندار اِنہی ابتدائی مسائل کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں بہ نسبت بڑے دینی مسائل کے۔ وہ ختمِ نبوت اور توحید کی باریکیوں کونہیں سمجھ سکتے اُن کے لیے صرف اِتنا جاننا ہی کافی ہے کہ اللہ ایک ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے رسول ہیں اور ان کا فرض ہے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کی اطاعت کریں۔ اِس کے بعد انہیں یہ بتایا جائے کہ بحیثیت ایک انسان ہونے کے اُن پر کیا ذمہ داریاں عائد ہیں یا بحیثیت ایک باپ اور بیٹا ہونے کے ان پر کیا ذمہ داریاں ہیں۔ اِسی طرح عورتوں کو یہ بتایا جائے کہ بحیثیت ایک بیٹی ہونے کے عورت پر کیا ذمہ داریاں ہیں یا بحیثیت ایک ماں ہونے کے عورت پر کیا ذمہ داریاں ہیں۔ پھر انہیں بتایا جائے کہ ہمسائیوں کے کیا حقوق ہیں، دوستوں کے کیا حقوق ہیں، میاں کے بیوی پر کیا حقوق ہیں اور بیوی کے میاں پر کیا حقوق ہیں، رشتہ داروں کے کیا حقوق ہیں، جو لوگ کاروبار میں شریک ہوں اُن کے کیا حقوق ہیں۔ یہ باتیں ہیں جو آہستہ آہستہ ان کو سمجھائی جائیں تاکہ وہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھیں اور ظلم اور انصاف، دیانت اور بددیانتی اور محنت اور سُستی میں فرق کریں اور اپنے آپ کو قوم کا ایک مفید وجود بنا سکیں۔ جب یہ چیزیں ان کے دماغ پر روشن ہو جائیں گی تو پھر بڑے بڑے مسئلے سمجھنے بھی ان کے لیے آسان ہو جائیں گے۔

بہرحال ایسے دور افتادہ علاقوں میں پریذیڈنٹوں اور سیکرٹریوں اور مبلّغوں کو چاہیے کہ وہ چھوٹے چھوٹے مسائلِ دینیہ لوگوں کو بار بار سمجھاتے رہا کریں۔ مگر یہ یاد رکھا جائے کہ خالی وعظ کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ یہ بھی معلوم کرتے رہنا چاہیے کہ لوگ ان باتوں پر عمل کرتے ہیں یا نہیں۔ اور آیا وہ باتیں انہوں نے سمجھ لی ہیں یا ابھی اُن کو اَور سمجھانے کی ضرورت ہے۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ خواہ اُن کے سامنے کتنی لمبی تقریر کرو بعد میں دریافت کرنے پر پتا لگتا ہے کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں سمجھا۔ مثلاً میرا خطبہ اس وقت تمام لوگ سن رہے ہیں لیکن نماز کے بعد اگر لوگوں سے دریافت کیا جائے کہ میں نے کیا خطبہ دیا ہے تو بعض ایسے ہوں گے جو بالکل خاموش ہو جائیں گے اور جب دوبارہ ان سے دریافت کیا جائے گا تو وہ کہیں گے ہمیں یاد نہیں رہا لیکن پاس بیٹھنے والا ساتھی فوراً بول اٹھے گا کہ یہ تو اُس وقت سو رہے تھے تو انہوں نے بیان کیا کرنا ہے۔ پس چونکہ ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو سمجھنے کا مادہ اپنے اندر کم رکھتے ہیں اس لیے ضروری ہوتا ہے کہ مسائل کو بار بار دہرایا جائے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عورتوں میں تقریریں شروع کیں اور متواتر کئی دن آپ تقریریں فرماتے رہے۔ زیادہ تر وفاتِ مسیح اور دوسرے اختلافی مسائل کا آپ نے اپنی تقریروں میں ذکر فرمایا تھا۔ باہر سے ایک مہمان عورت آئی ہوئی تھیں جو بڑے التزام سے ان جلسوں میں شریک ہوئیں۔ وہ سب سے آگے بیٹھا کرتی تھیں اور جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام تقریر فرما رہے ہوتے تھے تو وہ بار بار سُبْحَانَ اللّٰہِ سُبْحَانَ اللّٰہِ کہتی چلی جاتی تھیں۔ چند دنوں کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خیال آیا کہ عورتوں کا امتحان بھی لینا چاہیے تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ انہوں نے میری باتیں کہاں تک سمجھی ہیں۔ آپ نے اس عورت کو مخاطب کر کے فرمایا بی بی! مجھے اتنے دن وعظ کرتے گزر گئے ہیں اور تم بڑے شوق سے ان جلسوں میں شامل بھی ہوتی رہی ہو تم بتاؤ کہ میں نے اپنی تقریروں میں کیا کہا ہے؟ اس پر وہ کہنے لگی "تُساں خدا اور رسول دیا گلّاں ہی کیتیاں ہونیا ہین ہور کی کیتا ہونا ہے"۔ یعنی آپ نے خدا اور رسول کی باتیں ہی کی ہوں گی اَور آپ نے کیا کرنا تھا۔ گویا کئی دنوں کی تقریروں کے بعد بھی اسے یہ یقین نہیں تھا کہ آپ نے خدا اور اس کے رسول کی باتیں بیان کی ہیں بلکہ وہ اس بارہ میں بھی ابھی متذبذب تھی اور سمجھتی تھی کہ آپ نے غالباً اِسی قسم کی باتیں بیان کی ہوں گی۔ جن لوگوں کی دماغی کیفیت اِس قسم کی ہو اُن کو ایک یا دو دفعہ کوئی بات بتا کر یہ تسلّی نہیں ہوسکتی کہ انہوں نے اس بات کو سمجھ لیا ہے۔

پس لوگوں کو صرف مسائل بتانے پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہیے بلکہ ان سے بار بار پوچھنا چاہیے اور سوال کرنا چاہیے کہ انہوں نے کیا سمجھا ہے۔ اس بارہ میں خدام الاحمدیہ اور لجنہ اماء اللہ دونوں کو توجہ کرنی چاہیے۔ خدام الاحمدیہ کو چاہیے کہ وہ اپنے جلسوں میں نوجوانوں سے بار بار یہ مسائل پوچھیں اور دیکھیں کہ پریذیڈنٹوں یا سیکرٹریوں اور مبلّغوں نے جو باتیں بتائی تھیں وہ نوجوانوں نے سیکھی ہیں یا نہیں؟ اسی طرح لجنہ اماء اللہ کو چاہیے کہ وہ عورتوں کا امتحان لے اور اس امر کی نگرانی کرے کہ عورتوں نے ان مسائل کو کس حد تک سیکھا ہے۔ اگر اس رنگ میں جماعت کی تربیت جاری رہے تو چھ ماہ یا سال میں ہی جماعت کی کافی حد تک تربیت ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد بڑے بڑے مسئلوں کی باری آ جائے گی۔ دنیا میں یہی قاعدہ ہے۔ جب چھوٹا بچہ ہوتا ہے تو اُسے دودھ پلایا جاتا ہے۔ پھر آہستہ آہستہ جب اس میں مضبوطی آ جاتی ہے تو اسے دوسری غذائیں دی جاتی ہیں۔ اِسی طرح قومی تربیت کے لیے

پہلے موٹے موٹے مسائل لینے چاہیں اوران کو دماغوں میں داخل کرنا چاہیے۔ جب ان مسائل کو سیکھ کرانسانی ذہن رسا ہو جاتا ہے تو پھر وہ بڑے بڑے مسئلے بھی آسانی سے سیکھ لیتا ہے"۔

(الفضل یکم اپریل1960ء)

1 صحیح البخاری کتاب النکاح باب الشِّغَارِ۔